تبصرہ کتب

Military Clash between Christendom and the World of Islam during the Era of the Rightly- guided Caliphs and Umayyads.

(خلفائے راشدین اور بنوامیّہ کے زمانے میں مسیحی دُنیا سے مسلمانوں کا عسکری تصادم)

مؤلف: ظفر علی قریشی

ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن - اسلام آباد

صفحات: ۲۷۱

سال اشاعت: ۱۹۹۰ء

قیمت: ۹۲ روپے

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں ساسانیوں اور مغرب میں بازنطینیوں کی حکومت تھی۔ وقت کی ان دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی تگ و دوایک عرصے سے چلی آرہی تھی اور جزیرہ نمائے عرب میں دونوں اپنا اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے کوشاں تھیں۔ ساسانی یمن اور حیرہ میں قدیم جمانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور بازنطینی غسان کے سرداروں سے باج وصول کر رہے تھے۔

جزیرہ نمائے عرب میں مکّہ کی "شہری ریاست" غلّے اور دیگر اشیائے ضرورت کے لیے شام، فلسطین اور مصر کے بازنطینی صوبوں سے تجارتی روابط میں منسلک تھی۔ بازنطینی شہنشاہوں نے مکّہ میں اپنے سیاسی اثر ورسوخ کے لیے کئی کوششیں کیں۔ ایک روایت کے مطابق قیصر روم نے اس مقصد کے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ قصی کو امداد فراہم کی تھی کہ وہ مکّہ پر قابض ہو جائے لیکن قصی نے بازنطینی بالادستی قبول کرنے کے بجائے خود مختاری کا راستہ اختیار کیا۔ چند نسلوں کے بعد مکّہ کے عثمان الاسدی کے ذریعے، جس نے عیسائیت قبول کرلی تھی، بازنطینیوں نے پھر کوشش کی کہ اس کی آڑ میں مکّہ پر بازنطینی حکم چلنے لگے مگر خود عثمان کے اہلِ خاندان نے اس کی مخالفت کی اور بازنطینی خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ عثمان الاسدی اپنے قبیلے سے مایوس ہو کر شام چلا گیا۔ قیصر روم نے مکّہ والوں کو "عدمِ تعاون" کی سزا یوں دی کہ ان پر اپنی قلمرو کے دروازے بند کر دیے۔

ساسانی حکمران یمن میں بازنطینیوں کو شکست دے کر یہ خیال کرنے لگے تھے کہ یمن کے ساتھ پورا جزیرہ نمائے عرب اُن کے زیر اثر آ گیا ہے چنانچہ خسرو ایران نے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر حاکمِ یمن کو لکھ بھیجا کہ وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایران جا کر شہنشاہ سے ملنے کی ہدایت کرے اور اگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم حکم ماننے سے انکار کر دیں تو اُنہیں گرفتار کر کے مدائن بھیج دیا جائے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں جب مدینہ کی اسلامی ریاست نے قوت حاصل کر لی اور دین اسلام کے اثرات ساسانی اور بازنطینی حکمرانوں کی قلمروؤں تک وسیع ہونے لگے تو ان دونوں بڑی طاقتوں نے باہمی عناد اور مسابقت کے علی الرغم ابھرتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے چیلنج سمجھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارثؓ بن عمر ازدی کو قتل کر دینے پر غسان کے عیسائی حاکم اور اس کے بازنطینی سرپرستوں سے موتہ کا معرکہ (۸ھ) پیش آیا۔ غزوہ تبوک (۹ھ) بھی اِسی سلسلے کی مہم تھی مگر غسانی یا اُن کے سرپرست مقابلے کو نہ آئے۔

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بازنطینیوں کے ساتھ ساسانی حکمرانوں سے بھی معرکہ آرائی ہونے لگی اور یہ عسکری تصادم ایک طویل مدت جاری رہا جو بالخصوص بازنطینیوں کے حوالے سے صدیوں پر محیط ہے۔

مغربی دُنیا میں تحریک استشراق کے آغاز سے اب تک عیسائی اہل قلم اسلام اور اسلامی تاریخ پر مسلسل لکھ رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ مستشرقین کے اندازِ تالیف میں تبدیلی ضرور آئی ہے مگر بنیادی سوچ جوں کی توں ہے یعنی وہ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے لائے ہوئے پیغام کو وہ مقام دینے کو تیار نہیں جو اُنہیں ایک نبی کی حیثیت سے حاصل ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر کے حامل مغربی اہلِ قلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلام کے احسانات کے اعتراف میں بخل برتتے رہے ہیں۔ مگر گذشتہ صدی ڈیڑھ میں مغربی دُنیا میں غیر مذہبی حوالے سے تاریخ لکھنے والوں نے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کا کامیاب ترین انسان تو مان لیا ہے مگر اس کامیابی کے پیچھے اُنہیں الٰہی تعلیمات نظر نہیں آتیں بلکہ اُنہیں ایک ایسے شخص کی تگ و دو دکھائی دیتی ہے جو اپنے مقاصد کے لیے اخلاقی اصولوں کی قربانی دیتا ہے۔ ¹

پاکستان کی حد تک وہ اہلِ علم جو مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور حاصل کردہ ناقص نتائج سے بخوبی واقف ہیں، ان میں پروفیسر ظفر علی قریشی کا نام ایک عرصے سے سننے میں آ رہا ہے۔ پروفیسر صاحب اسلامیہ کالج (سول لائنز) لاہور سے بطور استاد وابستہ رہے ہیں۔ اُنہوں نے اسلامی تاریخ پر مستشرقین کی تحریروں کا ایک وسیع ذخیرہ اکٹھا کیا اور اِس کی جانچ پرکھ کے بعد قلم اٹھایا۔ اِس سلسلے میں

اُن کے چند مضامین شیخ محمد اشرف مرحوم کے ماہنامہ The Islamic Literature (لاہور) میں شائع ہوئے۔[۲] یہی مضامین معمولی اضافوں کے ساتھ زیر تبصرہ کتاب کی صورت میں یکجا شائع ہوئے ہیں۔[۳]

کتاب کے عنوان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس میں خلافت راشدہ اور خلافت بنوامیّہ کے تقریباً ایک سو بیس سال پر محیط مسلم - عیسائی عسکری تصادم کا جائزہ لیا گیا ہے مگر حقیقتاً مؤلف اس موضوع پر جامعیت سے لکھنے کے بجائے مغربی اہلِ قلم کی بعض غلط آراء اور بیانات کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب عہدِ خلفائے راشدین سے متعلق ہے اور تقریباً کتاب کے نصف حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ دوسرے اور تیسرے باب میں نوے سالہ عہد بنوامیّہ میں مسلم - عیسائی عسکری تصادم پر گفتگو کی گئی ہے جب کہ چوتھا اور آخری باب مسلمانوں کی حیرت انگیز فتوحات کے اسباب کے تجزیے پر مشتمل ہے۔

خلافتِ راشدہ کے حوالے سے جیش اسامہؓ کی روانگی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مختصر عہد خلافت میں ساسانیوں اور بازنطینیوں سے تصادم، اس کے اسباب اور حضرت عمر فاروقؓ کے داخلۂ بیت المقدس کے بارے میں بعض مستشرقین اور بالخصوص فلپ۔ کے۔ حتّی کے بیان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ پروفیسر ظفر علی قریشی نے حالات کے تجزیے سے ثابت کیا ہے کہ ساسانیوں اور بازنطینیوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو کمزور کرنے کی سازشوں میں حصہ لیا اور مسلمان مجبور ہو گئے کہ اپنے مخالفوں کی طرف توجہ دیں۔ اُنھوں نے اپنی تائید میں خود مغربی اہلِ قلم کی تحریریں بھی پیش کی ہیں۔ تاہم خلافت راشدہ سے متعلق باب کا بڑا حصہ جے۔ جے۔ ساندرز اور فلپ۔ کے۔ حتّی کے بیانات کی تردید کے لیے وقف ہے۔ حتّی نے اپنی تالیف History of the Arabs اور History of Syria میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس کا بطریق سوفرونیس حضرت عمرؓ کو شہر کا معائنہ کرا رہا تھا تو ایک موقع پر اُس نے اپنے ایک حاضر باش کو یونانی زبان میں کہا کہ

> حقیقتاً یہ ہے وہ اجاڑنے والی مکروہ چیز جس کا دانی ایل نبی نے ذکر کیا [دانی ایل ۱۱:۳۱] جو مقدّس جگہ کھڑی ہے۔"

حتّی نے بعد کی ایک دوسری تالیف Makers of the Arabs' History میں بطریق کی جانب منسوب روایت کے ساتھ مزید یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے داخلۂ بیت المقدس کا جو تاثر عیسائی آبادی نے لیا اس کا اظہار یونانی مصنف تھیوفینز کے ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ

> "وہ [حضرت عمرؓ] اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا چوغہ پہنے جو پھٹا ہوا تھا، تقویٰ کے مصنوعی تاثر کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے یہود کے ہیکل سلیمانی کو دیکھنے

کی خواہش کا اظہار کیا تا کہ وہ وہاں اپنی کفریہ عبادت انجام دے سکیں..."

حتّی اور ان جیسے بعض دوسرے مستشرقین نے داخلۂ بیت المقدس کے وقت حضرت عمرؓ کے ساتھیوں کی سادگی اور سادہ مزاجی کو ان کے "غیر مہذب" ہونے پر معمول کیا ہے۔ حالانکہ حقیقیت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اہل بیت المقدس کو پوری آزادی دی۔ اُن کے معابد کے تحفظ کی ضمانت دی۔ اُن کے معبد میں اس خدشے کے پیشِ نظر نماز ادا کرنے سے معذرت کر دی کہ آئندہ آنے والے مسلمان اپنے خلیفہ کے اِس عمل کو مثال بناتے ہوئے غیر مسلموں کے لیے کہیں پریشانی کا باعث نہ ہوں۔

پروفیسر قریشی نے اس موقع پر طویل بحث کی ہے۔ اُنھوں نے دانی ایل نبی کی کتاب کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ دانی ایل بنی چھٹی صدی قبل مسیح کے ایک فرد تھے جب کہ عہد نامۂ عتیق کی کتاب، جو اُن کے نام سے منسوب ہے، دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی ہے۔ اُنھوں نے عہد نامۂ عتیق کے شارحین کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ دانی ایل بنی کے الفاظ "اجاڑنے والی مکروہ چیز" [جو بعد میں حضرت عیسیٰ نے بھی استعمال کیے۔] کے بارے میں کوئی اتفاق رائے نہیں ہے۔ کیا یہ الفاظ سوفرونیس نے حضرت عمرؓ کے لیے استعمال کیے ہوں گے؟ عقلاً محال ہیں اور جہاں تک تھیوفیسز کا تعلق ہے وہ خود فلپ۔ کے۔ حتّی کے نزدیک ایک متعصب وقائع نگار ہے۔ نیز وہ حضرت عمرؓ سے دو صدی بعد کا شخص ہے۔ وہ کسی طرح بھی حضرت عمرؓ کے زمانے کا چشم دید گواہ نہیں ہو سکتا۔ تھیوفیسز کے بیان کا ایک ایک جُملہ حضرت عمرؓ کے بارے میں اُس کے تعصّب اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔

پروفیسر قریشی نے فلپ۔ کے۔ حتّی کے تضادات کی خوب نشاندہی کی ہے۔ "اجاڑنے والی مکروہ چیز" کے بارے میں پروفیسر قریشی کی توجیہ یہ ہے کہ اس کے مصداق وہ صلیبی ہیں جنھوں نے پہلی صلیبی جنگ (۴۹۳ھ) میں بیت المقدس میں داخل ہو کر، کیا یہود اور کیا مسلمان، سب کو موت کے گھاٹ اُتارا اور اس میں مرد یا عورت، بوڑھے یا بچے کی کوئی تمیز نہ کی۔ پروفیسر قریشی نے صلیبیوں کے مظالم پر تقریباً اسی مسلم اور مسیحی اہل قلم کے ایک جیسے اقتباسات درج کیے ہیں۔

عہد بنوامیہ میں افریقہ اور یورپ کے برّاعظموں میں مسلم - عیسائی مسلّح تصادم سے متعلق بعض نکات کی وضاحت و تشریح دوسرے اور تیسرے باب میں کی گئی ہے۔ مسلمانوں نے شمالی افریقہ کے بربر قبائل کو زیر کیا جو بعد میں مشرّف بہ اسلام ہو گئے اور یورپ کے علاقوں کی فتح میں عرب مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ ہسپانیہ میں مسلم اقتدار قائم ہوا۔ ایک طرف مسلمان جنوبی فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں جھیل جینوا تک پہنچ گئے اور دوسری طرف صقلیہ (سسلی) پر اُن کا قبضہ ہو گیا اور روم اُن کے حملوں کی زد میں رہا۔

جناب مؤلف نے اولاً ان الزامات کا جائزہ لیا ہے کہ بربروں نے تلوار کی نوک تلے اسلام قبول کیا تھا اور وہ لوٹ مار میں حصہ بٹانے کے لیے ہسپانیہ پر حملوں میں شریک تھے۔ اس کے ساتھ ہی چارلس مارٹل اور عبدالرحمن غافقی کے درمیان ہونے والی جنگ ٹورس (پائے ٹیرس) پر گفتگو کی ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور بعض مؤرخین کے خیال میں اس جنگ میں شکست کے بعد مسلمانوں کا سیلاب جنوبی فرانس میں آگے بڑھنے سے رُک گیا تھا۔ اسی لیے ایڈورڈ کریزی نے اپنی تالیف "دُنیا کی پندرہ فیصلہ کن جنگیں" میں اسے شامل کیا ہے۔

پروفیسر قریشی نے جنگِ ٹورس کی مبالغہ آمیز اہمیت پر گرفت کی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو شکست ضرور ہوئی تھی مگر اس سے مسلمانوں کے قدم بالکل رک نہیں گئے تھے نیز جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی چارلس مارٹل کی شجاعت کی نسبت کمک کی بروقت عدم فراہمی کے باعث تھی۔ فلپ۔ کے۔ حتّی کے حوالے سے انھوں نے بتایا ہے کہ حقیقتاً مسلمان اپنی فتوحات کے نقطہ آغاز یعنی جبرالٹر سے ایک ہزار میل آگے آچکے تھے۔ اُن کا تحرک کم ہوگیا تھا اور پھر ان کے اندر باہمی پھوٹ نے انہیں یہ دن دکھایا تھا۔

صقلیہ اور سوئٹزر لینڈ کی فتوحات کے ذکر میں جناب مؤلف نے اس "الزام" کی تردید کی ہے کہ جب مسلمانوں نے روم پر حملہ کیا تو اُنھوں نے سینٹ پطرس کے گرجا پر قبضہ کرنے کے بعد پوپوں کی قبروں کی بے حرمتی کی تھی۔ اس کے ساتھ ہسپانیہ میں عیسائی حکمرانوں کی زیادتیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

آخری باب میں مغربی اہلِ قلم کے اُن نظریوں کا بالتفصیل جائزہ لیا گیا ہے جو اُنھوں نے مسلمانوں کی ابتدائی حیران کُن فتوحات اور کامیابیوں کے سلسلے میں پیش کیے ہیں۔ کیا ساسانی اور بازنطینی طاقتیں عسکری طور پر کمزور ہوچکی تھیں؟ کیا عرب مسلمان غربت کے ہاتھوں تنگ آکر لوٹ مار کے لیے اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟ پروفیسر قریشی نے بتایا ہے کہ ساسانی سازوسامان اور جنگی صلاحیت کے حوالے سے ایک بڑی طاقت تھے اور انھوں نے شدید مزاحمت کی تھی مگر یہ مسلمانوں کا جذبۂ ایمان وجہاد تھا جس نے سامان اور جنگی صلاحیت کی کمی پوری کر دی تھی۔ خلفائے راشدین کی طرف سے سپہ سالاروں کو دی گئی ہدایات، عرب فوجوں کے نظم وضبط اور مفتوحہ قوموں کے ساتھ اُن کے حسنِ سلوک کو دیکھتے ہوئے یہ الزام بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کہ "لوٹ مار" فتوحات کا بڑا سبب تھا۔ اپنے نقطۂ نظر کے ثبوت میں جناب مؤلف نے بلاشبہ محنت سے کام لیا ہے۔

پروفیسر ظفر احمد قریشی کی زیر تبصرہ تالیف اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ بعض مغربی اہلِ قلم کے اعتراضات، بعض دوسرے حضرات کی آراء سے غلط ثابت کیے گئے ہیں مگر اس اندازِ تالیف میں الجھن یہ ہے کہ ایک ہی مصنف سے تائیدی اقتباس لے کر جب دوسری جگہ اسے بددیانت یا متعصب کہا جاتا

ہے تو پہلی دلیل میں وزن نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر زیر تبصرہ کتاب کے پہلے باب میں پروفیسر فلپ۔ کے۔ حتّی پر تنقید ہے اور مؤلف نے اُن کے لیے "طنزآمیز" جملے بھی لکھے ہیں مگر دوسرے باب میں حتّی کو بطور غیر جانب دار سند پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے باب میں پروفیسر سی۔ ایچ۔ بیکر پر گرفت کی گئی ہے (ص ۱۴۰ - ۱۴۱) مگر تیسرے باب میں اُن کا اقتباس اپنے حق میں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ (ص ۱۶۲) ضرورت اس امر کی ہے کہ "الزامی" حوالے جمع کرنے کے بجائے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا جائے کہ کسی مصنّف کی کوئی رائے یا بیان کیوں غلط ہے یا کیوں صحیح ہے۔

کتاب میں تدوین کے حوالے سے یہ خامیاں محسوس ہوتی ہے۔ صفحہ ۴۳ پر لکھا گیا ہے کہ "ہم مناسب موقع پر عہد نامۂ جدید کے درجۂ استناد پر تفصیل سے لکھیں گے۔" مگر پوری کتاب میں یہ بحث کہیں نظر سے نہیں گزری۔ صفحہ ۷۴ پر لکھا گیا ہے کہ زیر نظر خط کشیدہ جملوں پر غور کیا جائے اور وہاں خط کشیدہ کی جگہ جملے ٹیڑھے الفاظ (Italics) میں ہیں۔ اسی طرح غیر انگریزی الفاظ کی Transliteration میں کوئی ایک اسکیم پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ مؤلف بعض مقامات پر مغربی اہل قلم پر طنز کرنے سے اپنا قلم نہیں روک سکے۔ (ص ۲۶، ۳۳، ۵۴ اور ۱۴۱ وغیرہ)

کتاب کی طباعت میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کوئی اعلیٰ معیار پیش نہیں کر سکی۔ معمولی سفید کاغذ اور کارڈ بورڈ کی جلد کے ساتھ کتاب کچھ زیادہ جاذب نظر نہیں۔ پروف ریڈنگ کی اغلاط اس پر مستزاد ہیں۔ تاہم اسلامی تاریخ کے اساتذہ، یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اہل ذوق کو یہ کتاب ضرور دیکھنی چاہیے تاکہ مؤلف کی محنت زیادہ سے زیادہ بار آور ہو۔ (اختر راہی)

حواشی

۱۔ مثال کے طور پر امریکی مؤلف مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ کی کتاب The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History [نیویارک (۱۹۷۸ء)] میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاکہ دیکھیے۔

۲۔ The Islamic Literature اپنے وقت کا ایک وقیع ماہنامہ تھا۔ اسی ماہنامے کے حوالے سے معروف انگریز مستشرق الفریڈ گیوم (م ۱۹۶۵ء) نے شیخ محمد اشرف مرحوم کو سرسیّد احمد خان، سیّد امیر علی اور علامہ اقبال جیسے افراد کی صف میں شامل کیا ہے جو مسلم برصغیر کے "نمائندہ مفکرین" ہیں۔ دیکھیے: اُن کی تالیف، Islam، لندن: کیسل (۱۹۶۳ء)، ص ۱۶۳-۱۷۸

یہ الگ بات ہے کہ شیخ محمد اشرف کی خدمات تصنیف و تالیف کے میدان میں نہیں بلکہ

اسلامی لٹریچر کی توزیع واشاعت کے حوالے سے ہیں۔
The islamic Literature میں پروفیسر ظفر علی قریشی کے مضامین مارچ ۱۹۶۸ء سے ستمبر ۱۹۶۸ء تک شائع ہوئے۔
۳۔ ۱۹۶۸ء کے بعد شائع ہونے والی چند کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے مگر مراجع کی طویل کتابیات میں ۱۹۷۳ء کے بعد شائع ہونے والی کوئی کتاب یا مقالہ شامل نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب کے ایک حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ Prophet Muhammad and His Critics کے نام سے ایک الگ جلد مرتب کر چکے ہیں۔ اگر اس جلد کے ناشر وغیرہ کا پتہ دے دیا جاتا تو زیادہ مفید ہوتا۔

● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ●

The Greatness of Jesus the Messiah in the Holy Quran

(حضرت یسوع مسیح کی عظمت: قرآن کے آئینے میں)

مؤلف: بریگیڈیر (ریٹائرڈ) برکت مسیح
ناشر: عامر بک سنٹر، ۱۲۵۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔
صفحات: ۳۶
سالِ اشاعت: ۱۹۹۲ء
قیمت: ۔/۱۵ روپے

جناب برکت مسیح سالویشن آرمی کے ریٹائرڈ بریگیڈیر ہیں۔ وہ نصف صدی سے زائد عرصے سے چرچ کی خدمت کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے مسیحی برادری کے لیے چالیس سے زائد کتابیں اور کتابچے لکھے یا ترجمہ کیے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ اُن کی تازہ ترین کاوش ہے۔ اِس میں اُنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے متعلق قرآن مجید کی آیات کا انگریزی ترجمہ مناسب ترتیب کے ساتھ یک جا کر دیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، اُن کے القاب، معجزات اور رفع الی السماء کا ذکر کیا ہے۔

بنیادی طور پر کتابچے کا تانا بانا مسیحی عقائد پر مبنی ہے اور اسی حوالے سے قرآن کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ کتابچہ مسیحی قارئین کے لیے مفید ہے۔ البتہ اس میں بعض فنی کوتاہیوں کے ساتھ کتابت کی اغلاط کھٹکتی ہیں۔ (اختر راہی)